

قانون معاشرت

(۴)

(گزشتہ سے پوسٹہ)

حقوق و فرائض

[۱]

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ ، فَالصَّالِحَاتُ قَنِتٌ ، حَفِظَتْ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ ، وَالَّتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ ، فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا ، إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا كَبِيرًا۔ (النساء: ۳۴)

”مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس لیے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور اس لیے کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ پھر جو نیک عورتیں ہیں، وہ فرماں بردار ہوتی ہیں، رازوں کی حفاظت کرتی ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے بھی رازوں کی حفاظت کی ہے۔ اور جن سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو، انہیں نصیحت کرو، اور ان کے بستروں میں انہیں تنہا چھوڑ دو اور (اس پر بھی نہ مانیں تو) انہیں سزا دو۔ پھر اگر وہ اطاعت کریں تو ان پر الزام کی راہ نہ ڈھونڈو۔ بے شک اللہ بہت بلند ہے، وہ بہت بڑا ہے۔“

اس آیت سے اوپر کے پیرے میں اللہ تعالیٰ نے یہ حقیقت واضح فرمائی ہے کہ انسان کے لیے جدوجہد اور مسابقت کا اصلی میدان اس کی خلقی صفات نہیں ہیں، اس لیے کہ خلقی صفات کے لحاظ سے بعض کو بعض پر فی الواقع ترجیح حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کو ذہنی، کسی کو جسمانی، کسی کو معاشی اور کسی کو معاشرتی برتری کے ساتھ پیدا کیا اور دوسروں کو اس کے مقابلے میں کم تر

رکھا ہے۔ مرد و عورت کا معاملہ بھی یہی ہے۔ ان میں زوجین کا تعلق ایک کو فاعل اور دوسرے کو منفعل بنا کر پیدا کیا گیا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ فعلیت جس طرح غلبہ، شدت اور تحکم چاہتی ہے، انفعالییت اسی طرح نرمی، نزاکت اور اثر پذیری کا تقاضا کرتی ہے۔ اس لحاظ سے دیکھیے تو ان میں سے ہر ایک کو دوسرے پر برتری حاصل ہے۔ یہ ان کی خلقی صفات ہیں۔ ان میں اگر مسابقت اور تنافس کا رویہ اختیار کیا جائے گا تو یہ فطرت کے خلاف جنگ ہوگی جس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں نکل سکتا کہ بالآخر دونوں اپنی بربادی کا ماتم کرنے کے لیے باقی رہ جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اس کے مقابلے میں ایک دوسرا میدان بھی ہے اور وہ اکتسابی صفات کا میدان ہے۔ یہ نیکی، تقویٰ، عبادت، ریاضت اور علم و اخلاق کا میدان ہے۔ قرآن نے اس کے لیے جگہ جگہ ایمان اور عمل صالح کی جامع تعبیر اختیار فرمائی ہے۔ مسابقت اور تنافس کا میدان درحقیقت یہی ہے۔ اس میں بڑھنے کے لیے کسی پر کوئی پابندی نہیں، بلکہ مسابقت اس میدان میں اتنی ہی محمود ہے، جتنی خلقی صفات کے میدان میں مذموم ہے۔ مرد بڑھے تو اسے بھی اپنی جدوجہد کا پھل ملے گا اور عورت بڑھے تو وہ بھی اپنی تگ و دو کا ثمرہ پائے گی۔ بانو، باندی، آزاد، غلام، شریف، وضع، خوب صورت، بد صورت اور بینا و نابینا، سب کے لیے یہ میدان یکساں کھلا ہوا ہے۔ دوسروں پر فضیلت کی خواہش ہو تو انسان کو اس میدان میں خدا کا فضل تلاش کرنے کے لیے نکلنا چاہیے۔ اپنی محنت غلط میدان میں برباد کرنے سے لاجل تصادم اور بے فائدہ تنازعات کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ حوصلہ آزمائے اور ارمان نکالنے کے لیے صحیح میدان یہ ہے۔ جس کو اترنا ہو، وہ اس میدان میں اترے۔ ارشاد فرمایا ہے:

”اور جس چیز میں اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اُس کی تمنا نہ کرو۔ جو کچھ مردوں نے کمایا ہے، اُن کو بھی اُس میں سے حصہ ملے گا اور جو کچھ عورتوں نے کمایا ہے، وہ بھی اُس میں سے اپنا حصہ پائیں گی۔ اور اللہ سے اُس کا فضل (اس معاملے میں) چاہو۔ یقیناً اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔“

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ ، لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ، وَسْئَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ ، إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۔ (النساء: ۳۲)

اسی ہدایت کو رہنما اصول قرار دے کر اللہ تعالیٰ نے آیہ زیر بحث میں خاندان کی تنظیم کے لیے اپنا قانون بیان فرمایا ہے۔ خاندان کا ادارہ بھی، اگر غور کیجیے تو ایک چھوٹی سی ریاست ہے۔ جس طرح ہر ریاست اپنے قیام و بقا کے لیے ایک سربراہ کا تقاضا کرتی ہے، اسی طرح یہ ریاست بھی ایک سربراہ کا تقاضا کرتی ہے۔ سربراہی کا مقام اس ریاست میں مرد کو بھی دیا جاسکتا تھا اور عورت کو بھی۔ قرآن نے بتایا ہے کہ یہ مرد کو دیا گیا ہے۔ آیت میں اس کے لیے ’قومون علی النساء‘ کی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔ عربی زبان میں ’قام‘ کے بعد ’علی‘ آتا ہے تو اس میں حفاظت، نگرانی، تولیت اور کفالت کا مضمون پیدا ہو

جاتا ہے۔ سربراہی کی حقیقت یہی ہے اور اس میں یہ سب چیزیں لازم و ملزوم ہیں۔ اپنے اس فیصلے کے حق میں قرآن نے دو دلیلیں دی ہیں۔ استاذ امام ان کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

”ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر فضیلت بخشی ہے۔ مرد کو بعض صفات میں عورت پر نمایاں تفوق حاصل ہے جس کی بنا پر وہی سزاوار ہے کہ قوامیت کی ذمہ داری اسی پر ڈالی جائے۔ مثلاً محافظت و مدافعت کی جو قوت و صلاحیت یا کمانے اور ہاتھ پاؤں مارنے کی جو استعداد و ہمت اس کے اندر ہے، وہ عورت کے اندر نہیں ہے۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ یہاں زیر بحث کلی فضیلت نہیں ہے، بلکہ صرف وہ فضیلت ہے جو مرد کی قوامیت کے استحقاق کو ثابت کرتی ہے۔ بعض دوسرے پہلو عورت کی فضیلت کے بھی ہیں، لیکن ان کو قوامیت سے تعلق نہیں ہے۔ مثلاً عورت گھر در سنبھالنے اور بچوں کی پرورش و نگہداشت کی جو صلاحیت رکھتی ہے، وہ مرد نہیں رکھتا۔ اسی وجہ سے قرآن نے یہاں بات ابہام کے انداز میں فرمائی ہے جس سے مرد اور عورت، دونوں کا کسی نہ کسی پہلو سے صاحب فضیلت ہونا نکلتا ہے^{۱۵}، لیکن قوامیت کے پہلو سے مرد ہی کی فضیلت کا پہلو رائج ہے۔

دوسری یہ کہ مرد نے عورت پر اپنا مال خرچ کیا ہے۔ یعنی بیوی بچوں کی معاشی اور کفالتی ذمہ داری تمام اپنے سر اٹھائی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ذمہ داری مرد نے اتفاقاً یا تبرعاً نہیں اٹھائی ہے، بلکہ اس وجہ سے اٹھائی ہے کہ یہ ذمہ داری اسی کے اٹھانے کی ہے۔ وہی اس کی صلاحیتیں رکھتا ہے اور وہی اس کا حق ادا کر سکتا ہے۔“ (تدبر قرآن ۲/۲۹۱)

میاں اور بیوی کے تعلق میں شوہر کو قوام قرار دینے کے بعد خاندان کے نظم کو صلاح و فلاح کے ساتھ قائم رکھنے کے لیے عورتوں سے جس چیز کا تقاضا کیا گیا ہے، وہ یہ ہے:

۱۔ انھیں اپنے شوہر کے ساتھ موافقت اور فرماں برداری کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔

۲۔ شوہر کے رازوں اور اس کی عزت و ناموس کی حفاظت کرنی چاہیے۔

پہلی بات تو محتاج وضاحت نہیں، اس لیے کہ نظم خواہ ریاست کا ہو یا کسی ادارے کا، اطاعت اور موافقت کے بغیر ایک دن کے لیے بھی قائم نہیں رہ سکتا۔ یہ نظم کی فطرت ہے۔ اسے نہ مانا جائے تو وہ نظم نہیں، بلکہ اختلال و انتشار ہوگا جس کے ساتھ کوئی ادارہ بھی وجود میں نہیں آتا۔

رہی دوسری بات تو اس کے لیے قرآن نے ’حفظت للغیب‘ کی تعبیر اختیار کی ہے۔ عام طور پر اس کے معنی پیٹھ پیچھے کی حفاظت کے لیے گئے ہیں۔ ہم نے اسے رازوں کی حفاظت کرنے والی کے معنی میں لیا ہے۔ اس کا یہی مفہوم ہمارے نزدیک صحیح ہے۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اس کی وضاحت میں لکھا ہے:

”یہ معنی لینے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ’غیب‘ کا لفظ راز کے مفہوم کے لیے مشہور ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں ترکیب

۱۵۔ چنانچہ اولاد اور والدین کے تعلق میں اسی بنا پر ماں کو باپ پر فضیلت دی گئی ہے۔ اس معاملے میں قرآن کا نقطہ نظر ہم آگے اس کے محل میں تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔

کلام ایسی ہے کہ پیٹھ پیچھے کے معنی لینے کی گنجائش نہیں۔ تیسری یہ کہ عورت اور مرد کے درمیان رازوں کی امانت داری کا مسئلہ سب سے زیادہ اہمیت رکھنے والا مسئلہ ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے قدرتی امین ہیں۔ بالخصوص عورت کا مرتبہ تو یہ ہے کہ وہ مرد کے محاسن و معائب، اس کے گھر در، اس کے اموال و املاک اور اس کی عزت و ناموس، ہر چیز کی ایسی راز دان ہے کہ اگر وہ اس کا پردہ چاک کرنے پر آ جائے تو مرد بالکل ہی ننگا ہو کر رہ جائے۔ اس وجہ سے قرآن نے اس صفت کا خاص طور پر ذکر فرمایا۔ اس کے ساتھ ’حفظ اللہ‘ کا جو اضافہ ہے، اس سے اس صفت کی عالیٰ نسبی کا اظہار مقصود ہے کہ ان کی اس صفت پر خدا کی صفت کا ایک پرتو ہے، اس لیے کہ خدا نے بھی اپنے بندوں اور بندیوں کے رازوں کی حفاظت فرمائی ہے۔ ورنہ وہ لوگوں کا پردہ چاک کرنے پر آ جاتا تو کون ہے جو کہیں منہ دکھانے کے قابل رہ جاتا۔‘ (تدبر قرآن ۲/۲۹۲)

قرآن نے فرمایا ہے کہ صالح بیویوں کا رویہ ہمیشہ یہی ہوتا ہے۔ اس سے یہ بات آپ سے آپ نکلی کہ جو عورتیں سرکشی اور تمرد اختیار کریں یا گھر کے راز دوسروں پر افشا کرتی پھریں، وہ خدا کی نگاہ میں ہرگز صالحات نہیں ہیں۔

لیکن کوئی عورت اگر اس طرح کی سرکشی پر اتر ہی آئے تو مرد کیا اس کی تادیب کر سکتا ہے؟ قرآن نے اس کا جواب اثبات میں دیا ہے۔ آیہ زیر بحث میں اس سرکشی کے لیے ’نشوز‘ کا لفظ آیا ہے۔ اس کے معنی سراٹھانے کے ہیں، مگر اس کا زیادہ استعمال اس سرکشی اور شوریدہ سری کے لیے ہوتا ہے جو کسی عورت کی طرف سے اس کے شوہر کے مقابل میں ظاہر ہو۔ یہ لفظ عورت کی ہر کوتاہی، غفلت یا بے پروائی یا اپنے ذوق اور رائے اور اپنی شخصیت کے اظہار کی فطری خواہش کے لیے نہیں بولا جاتا، بلکہ اس رویے کے لیے بولا جاتا ہے، جب وہ شوہر کی قوامیت کو چیلنج کر کے گھر کے نظام کو بالکل تلپٹ کر دینے پر آمادہ نظر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ معاملہ یہاں تک پہنچ رہا ہو تو مرد تین صورتیں اختیار کر سکتا ہے۔

پہلی یہ کہ عورت کو نصیحت کی جائے۔ آیت میں اس کے لیے ’وعظ‘ کا لفظ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس میں کسی حد تک زجر و تنبیخ بھی ہو سکتی ہے۔

دوسری یہ کہ اس سے بے تکلفانہ قسم کا خلا ملا ترک کر دیا جائے تاکہ اسے اندازہ ہو کہ اس نے اپنا رویہ نہ بدلا تو اس کے نتائج غیر معمولی ہو سکتے ہیں۔

تیسری یہ کہ عورت کو جسمانی سزا دی جائے۔ یہ سزا، ظاہر ہے کہ اتنی ہی ہو سکتی ہے جتنی کوئی معلم اپنے زیر تربیت شاگردوں کو، یا کوئی باپ اپنی اولاد کو دیتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی حد ’غیر مبرح‘^{۱۶} کے الفاظ سے متعین فرمائی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایسی سزا نہ دی جائے جو کوئی پائندہ اثر چھوڑے۔

آیت کے انداز بیان سے واضح ہے کہ ان تینوں میں ترتیب و تدریج ملحوظ ہے۔ یعنی پہلی کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری صورت اسی وقت اختیار کرنی چاہیے جب آدمی مطمئن ہو جائے کہ بات نہیں بنی اور اگلا قدم اٹھانے کے سوا چارہ

نہیں رہا۔ مرد کے تادیبی اختیارات کی یہ آخری حد ہے۔ قرآن نے فرمایا ہے کہ اگر اس سے اصلاح ہو جائے تو عورت کے خلاف انتقام کی راہیں نہیں ڈھونڈنی چاہئیں۔ چنانچہ 'ان اللہ کان علیاً کبیراً' کے الفاظ میں تنبیہ کی گئی ہے کہ سب سے بلند اور سب سے بڑا خدا ہے۔ وہ جب آسمان وزمین کا مالک ہو کر بندوں کی سرکشی سے درگزر فرماتا ہے اور توبہ و اصلاح کے بعد نافرمانیوں کو معاف کر دیتا ہے تو اس کے بندوں کو بھی دوسروں پر اختیار پا کر اپنے حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔

(باقی)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com